© rasailojaraid.com

کچھ آپ بیتی کچھ جگ بیتی

جناب خان نمازی کابلی احراری، دہلی کے قلم سے

ہمارے ایک دوست مولانا عبدالرحمٰن صدیقی فاضل دارالعلوم حقانیہ اپنے شیخ و مرشد سیدنا مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ کی سوانح و حالات کی ترتیب و تدوین میں مصروف ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے برصغیر کے اعیان علم و فضل سے مراجعت کی ہے۔ دہلی کے مشہور بزرگ شخصیت جناب خان نمازی کابلی احراری نے اس ضمن میں ماضی کے بہت سے واقعات پر روشنی ڈالی ہے۔ امید ہے کہ آپ بیتی سے زیادہ اس جگ بیتی کو قارئین الحق اپنے لئے ایک نایاب تحفہ سمجھیں گے۔ اس دہلی کا تحفہ جس سے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی داستانیں وابستہ ہیں۔ (مدیر)

★

"مولانا احمد علیؒ، مولانا عبید اللہ سندھی اور بزرگانِ احرار کے تعلقات اور حالات کے پیشتر اپنے مختصر حالات درج کرتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو کہ آپ نے جس شخص کو مکتوب لکھا ہے وہ کس درجہ کا انسان اور خدمت گزارِ قوم اور ملّت ہے۔"

میرا وطن "پاکتیا"

میں افغانستان کے صوبہ "پاکتیا" میں موضع "ذراگی" ضلع خوست کا رہنے والا ہوں۔ جس زمانے میں عدم سے وجود میں آیا تھا اس زمانے میں "حیات و ممات کے اندراج کا کوئی رواج نہیں تھا۔ اس لیے اندازے سے لکھتا ہوں۔ جس سال انڈین نیشنل کانگرس قائم ہوئی تھی اسی سال یعنی ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوا۔ میرے والد کا نام عبدالرحیم احمدی عرف خان پیر ہے۔ والدہ کا نام "لونگہ نیازی" ہے اور سُنی قبیلے کی شاخ "درنامی" سے ہوں۔ سُنی قبیلہ کرلانیوں کا ایک قبیلہ ہے۔ مشہور افغان مجاہد پیر بایزید روشن ساکن کانی گرام وزیرستان اور مشہور قہرمان پشتو کے شاعر خوشحال خان خٹک ساکن اکوڑہ خٹک ضلع پشاور بھی "کرلانی" افغان تھے۔ پاکتیا اس قدیم آریہ (شریف) قبیلے کے نام سے موسوم ہے جس کا ذکر اگ وید کے ایک منتر میں اس طرح آیا ہے:

"اے اندرؔ تو ہمیں ایسی دُودھ دینے والی گائیں عطا کر جو تُو نے پکتیا کے راجکماروں اور شہزادوں کو عطا کی تھیں۔"

قادیانیت اور افغانستان

میں اپنے خاندان میں تنہا سُنی حنفی المذہب اور مجاہد آزادی ہوں۔ میرے والد اور چاچا اور چھوٹے بھائی مولانا خلیل الرحمٰن احمدی (قادیانی) ہیں۔ آپ کو حیرت ہو گی کہ احمدیت (قادیانیت) افغانستان اور پاکتیا کیسے پہنچی؟ اس سلسلہ میں قاضی محمد یوسف قادیانی آف ہوتی مردان اپنی پشتو کی کتاب "احمدیت اور افغانستان" میں لکھتے ہیں کہ:-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"جس وقت افغانستان اور ہندوستان میں حد بندی ہو رہی تھی اور ڈیورنڈ لائن بن رہی تھی انگریزوں کی طرف سے "سر ڈیورنڈ" اور "صاحبزادہ عبدالقیوم" (آف ٹوپی) مقرر تھے اور کرّم گئے تھے افغانستان کی طرف سے سردار شیریں دل خان "گورنر پاکیت" اور صاحبزادہ عبداللطیف آف خوست مقرر ہو کر کرّم گئے تھے۔ یہ لوگ دن کو حد بندی کا کام کرتے تھے اور رات کو آپس میں بیٹھ کر دوستانہ ملاقاتیں کرتے اور تبادلۂ خیالات کرتے تھے۔ ان رات کی مجلسوں میں ایک انگریزی ملازم نے حضرت احمد (مرزا غلام احمد قادیانی) کا ذکر کیا تو صاحب زادہ عبداللطیف نے ان کی کتابوں کو دیکھنے کا شوق ظاہر کیا اس پر کسی (انگریزی ملازم) نے انہیں "آئینہ کمالات اسلامی" نامی کتاب پیش کی جس کے پڑھنے سے صاحب زادہ عبداللطیف بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے اپنے دو مریدوں مولوی عبدالرحمٰن اور مولوی عبدالجلیل کو قادیان بھیجا"۔ ص ۱۱

قاضی محمد یوسف قادیانی کی مندرجہ بالا تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ افغانستان اور دُوسرے ممالک میں احمدیّت (قادیانیت) کی تبلیغ کرنے والے حقیقت میں انگریزوں کے ملازم تھے اور اس سلسلہ میں سرسید سرحد صاحب زادہ عبدالقیوم آف ٹوپی ضلع مردان کی قادیانیت کی ترقی کے باعث تھے۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں احمدیت یعنی قادیانیت"، کا اثر یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ سوات میں "ستھانہ" کے سید عبدالجبار شاہ احمدی قادیانی ہو گئے تھے اور فخر افغان خان عبدالغفار خان جیسی مجاہد شخصیت بھی قادیان تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آگئی تھی۔

مَیں ہندوستان کیوں آیا؟

مجھ پر یہ خُدا کا ہمیشہ ہی لطف اور کرم رہا ہے کہ مَیں جہاں بھی اور جس محفل میں بھی گیا اوّل و آخر "احراری" ہی رہا۔ انگریز دُشمنی اور حُریّت و آزادی کے جذبات نے پہلے مجھے وزیرستان کے مشہور مجاہد غازی موسٰے خان مسعود کا رفیق و ساتھی بنایا۔ پھر جب ۱۹۱۵ء میں مولانا برکت اللہ بھوپالی اور راجہ مہندر پرتاپ افغانستان پہنچے تو مجھے یہ تحریک ہُوئی کہ افغانستان اور مُسلم ممالک کی آزادی کا راز ہندوستان کی آزادی میں مضمر ہے۔ اس لیے مَیں پاکتیا (افغانستان) سے ہندوستان آیا۔ پہلے آغا پیر معقول شاہ گھنٹہ گھر پشاور کے ہاں کچھ عرصہ تک رہا۔ اس کے بعد قادیان، علی گڑھ، دہلی، جے پور اور ہندوستان کے مختلف شہروں سے ہندوستان کی آزادی کے لیے سرگرم رہا۔ "احرارِ ہند" میں سے میرا زیادہ گہرا تعلق مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا محمد عرفان ہزاروی وغیرہ سے رہا اور جب حالات نے انہیں "منقارِ زیرِ پر" کیا اور "مجلس احرار اسلام" کا قیام عمل میں آیا تو میری بے چین اور آزادی پسند طبیعت نے قادیان سے اکھاڑ کر احرارِ اسلام سے وابسطہ کیا اور پھر تقسیم وطن سے کچھ سال قبل سرحد کے خدائی خدمت گاروں سے تعلقات استوار کیے اور جب مُلک تقسیم ہُوا پاکستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا قیام عمل میں آیا تو لال قلعہ پر "پرچم آزادی" لہرانے کے شوق نے دہلی پہنچایا اور اب تقریباً گذشتہ تیس سال سے دہلی میں ہوں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے یہ شعر میرے لیے ہی کہا ہے ؎

اک جگہ رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں
دن کہیں صبح کہیں شام کہیں

احرار وطن میرے خیال میں "مجلس احرار اسلام" ہی وہ پہلی سیاسی جماعت ہے جس نے احمدیت (قادیانیت) کا سیاسی محاذ پر کامیاب مقابلہ کیا اور اسے ہر میدان میں شکست فاش دی۔ اکبر الہ آبادی کا شعر ہے کہ ؎

"بدھو میاں" بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں
گو مشتِ خاک ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

اگرچہ اکبر نے یہ "علی برادران" کی شان میں کہا تھا مگر یہ مجھ پر بھی صادق آتا ہے۔ کیونکہ "بزرگانِ احرار" کے ساتھ میری حیثیت بھی "بدھو میاں" اور "مشتِ خاک" کی سی رہی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ "دشمنانِ احرار" ہی کے نزدیک میری حیثیت "مجلس احرار اسلام" میں "گوتر بگ دگو بلند" کی سی تھی۔

ہندوستان کی آزادی کے بے شمار قافلہ سالاروں سے میرے قریبی اور دوستانہ تعلقات رہے ہیں لیکن مجھے مولانا حسرت موہانی اور مولانا مظہر علی اظہر نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ یہ دونوں ایسے حق گو اور بے باک تھے جو مصلحتوں کے جنگلوں اور سمندروں کے سینوں کو چیرنے کی صلاحیتیں رکھتے تھے۔ اگر مولانا حسرت موہانی نے سب سے پہلے آزادی کامل کا پرچم بلند کیا تھا تو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مولانا مظہر علی اظہر نے "احرار اسلام" کے قائد کی حیثیت سے سب سے پہلے کشمیر کی آزادی کا پرچم بلند کیا تھا اور اس کی جماعت "احرار" نے اپنی قربانیوں سے "اقبال" کو میرزا بشیر احمد محمود کی سیاسی غلامی یعنی کشمیر کمیٹی کی ممبری سے آزاد کر کے مشرف بہ اسلام کیا تھا۔ اسی طرح مجلسِ احرار اسلام نے ہی سب سے پہلے احمدیوں (قادیانیوں) کے غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اس کا سہرا قدرت نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے سر باندھا اور یہ پیش گوئی بھی ۱۹۳۶ء میں مولانا اظہر علی اظہر نے ہی کی تھی کہ:

"میرزا بشیر الدین محمود کہتے ہیں کہ مسجد شہید گنج کی وجہ سے احرار کے قدموں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہے۔ مگر میں قادیان میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ بہت جلد ہندوستان آزادی حاصل کرے گا اور انگریز چلے جائیں گے اور قادیان مرزا بشیر الدین محمود کے قدموں سے نکل جائے گا۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنہ ۱۹۲ء میں مولانا مظہر علی اظہر احرار اسلام کی طرف سے میرزا محمود کے دعوتِ مباہلہ پر قادیان گئے تھے اور اُنہوں نے قادیان میں مندرجہ بالا تقریر کی تھی اور دُنیا نے اس پیش گوئی کی صداقت کو اگست سنہ ۱۹۴۷ء میں دیکھ کہ میرزا بشیر الدین محمود احمد قادیان سے نکل کر "رتن باغ لاہور" میں پناہ گزین ہوئے اور پھر چنیوٹ (ربوے) میں اپنا مرکز قائم کیا۔

مولانا احمد علیؒ اور بزرگانِ احرار

مَیں نے حضرت مولانا احمد علیؒ کے شباب کا زمانہ نہیں دیکھا ہے لیکن جب اُنہیں دیکھا تو اُن کی داڑھی اور مُونچھوں میں سفید بال آ گئے تھے اور اُن کے درسِ قرآن میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی اور اس نے مولانا کو قرونِ اولےٰ کے بزرگانِ دین کے نورانی پیکر میں دیکھا۔ اُن کے درسِ قرآن میں دُور دُور سے علماء فضلاء اور طلباء آکر شریک ہوتے تھے اور فیض یاب ہو کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوتے تھے۔ جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے ان کے درس قرآن میں ندوۃ العلماء کے سیّد ابوالحسن علی میاں اور "مدرسہ باقیات صالحات" ویلور (مدراس) کے مولانا صبغت اللہ بختیاری بھی ہوا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا سید ابوالحسن علی میاں کا جو مکتوب میرے خط کے جواب میں آیا ہے ملاحظہ ہو:-

" رائے بریلی

مکرمی محترمی خان غازی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ مورخہ ۱۹ر فروری پہنچ کر موجب مسرت ہُوا۔ آپ نے یاد فرمایا بڑی خوشی ہوئی۔ دفتر "برہان" میں آپ سے ملنا مجھے یاد ہے اور مَیں نے آپ کے مضامین دل چسپی سے پڑھے ہیں۔ مجھے حضرت مولانا احمد علیؒ سے نہ صرف یہ کہ تلمذ بلکہ ارادت کا شرف بھی حاصل ہے۔ لیکن مَیں مولاناؒ پر ایک مبسوط مضمون لکھ چکا ہوں، جو میری کتاب "پرانے چراغ" کی زینت ہے۔ اس سے زیادہ مَیں مستقبلِ قریب میں کچھ نہیں لکھ سکتا۔ کئی مصروفیتیں حائل اور بعض طویل سفر درپیش ہیں۔ مولانا کے خطوط کا بے شک میرے پاس ایک اچھا مجموعہ ہے لیکن وہ نجی اور تربیتی ہیں اس لیے عام اشاعت بغیر ان کو [illegible] کئے ہوئے مناسب نہیں۔ امید ہے کہ آپ سے ان لوگوں کو جنہوں نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا ہے مطلع فرمائیں گے۔ حضرت مولانا عبدالحق سے بھی مجھے ذاتی نیاز حاصل ہے اور ان کے صاحبزادہ مولانا سمیع الحق صاحب خصوصی کرم فرما ہیں "پرانے چراغ" کا ایک ایڈیشن پاکستان سے شائع ہوا ہے۔ یقیناً ان حضرات کی نظر سے گزرا ہوگا۔ آپ کی بہ نظر سے کتاب نہ گزری ہو تو مجھے مطلع فرماویں مَیں ایک نسخہ بھیجنے کی کوشش کروں گا۔ والسّلام مخلص ابوالحسن علی

۲۴ر فروری ۱۹۷۸ء "

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید بخاری کو "امیر شریعت" کا خطاب

درس قرآن مجید کے بعد میرے خیال میں حضرت مولانا کا دوسرا شاہکار اور بڑا کارنامہ "انجمن خدام الدین" کے زیر اہتمام سینکڑوں علمائے کرام کا وہ اجتماع عظیم تھا جس میں دین اور دنیا کے نامور مشاہیر نے بھی شرکت کی تھی۔ جہاں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید انور شاہ کاشمیری اجتماع میں موجود تھے وہاں سر محمد اقبال اور سر میاں محمد شفیع آف باغبانپورہ لاہور بھی حاضرین میں سے تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار دُنیا دار و سرکار پرست لوگ علمائے کرام کے افکار و خیالات سُننے کے لیے گوش برآواز موجود تھے۔ یہی وہ اجتماع تھا جس میں سید انور شاہ کشمیریؒ نے بلبل ریاض رسول مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ کو "امیر شریعت" کے خطاب سے سرفراز کیا تھا اور بر سر اجلاس انور کشمیریؒ امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری سے بیعت ہوئے تھے۔ لیکن افسوس کہ آج علمائے کرام اور احرار دونوں نے انہیں اس لیے فراموش کر دیا کہ ان کی یاد سے بہت سی ایسی تلخیاں وابستہ ہیں جو انگریزوں کے کالے جانشینوں کو پسند نہیں یقیناً خلاء آشیاں بخاری کی رُوح شاعر کی زبان میں کہہ رہی ہوگی ؎

وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی ہیں !

اچھا ہُوا کہ تم نے فراموش کر دیا

شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی یاد

ایسی حالت میں جبکہ علماء اور جہلاء دونوں زلفِ سیاست میں جکڑے ہُوئے ہیں یہ باتیں باعثِ مسرت اور صد افتخار ہیں کہ ایک طرف خوشحال خان خٹک کی سرزمین (صوبہ سرحد) سے حضرت عاشق قرآن و حدیث مولانا احمد علی لاہوریؒ کی یاد میں آواز بلند ہوئی ہے اور دوسری طرف کشور حسن و عشق پنجاب "ساہیوال" سے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کو یاد کیا گیا ہے اور ماہنامہ "الرشید" کے سید حسین احمد مدنی اور سر اقبال" نمبر کی اشاعت کا اعلان ہُوا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور قائد احرار مولانا مظہر علی اظہرؒ سچ فرمایا کرتے تھے کہ آج مسلمان جن آفات و بلیات میں مُبتلا ہیں صرف اس وجہ سے ہیں کہ انھوں نے نہ صرف حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی توہین کی تھی بلکہ انہیں سخت ایذائیں بھی پہنچائی تھیں اور جب تک مُسلمان سچے دل سے ان گناہوں سے توبہ نہ کریں گے مُسلمانوں کا آفات و بلیات کے طوفانوں سے نکل کر سلامتی کے کنارے پر پہنچنا بے حد دشوار اور مشکل بات ہے۔

میں جب ۱۹۶۵ء میں "پاکتیا" (افغانستان) گیا تھا تو میں نے بمقام "علی شیر" وہاں کے پہاڑوں میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے تقویٰ اور حُریت افروز زندگی اور مولانا احمد علی لاہوریؒ کے درس قرآن کی گونج سُنی تھی اور وہاں کے علماء کرام نے پُوچھا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ کس حال میں ہیں اور جب میں نے ان سے کہا کہ یہ دونوں بزرگانِ دین و دُنیا اپنے رفیقِ اعلیٰ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مل چکے ہیں تو سب کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایسی جھڑی رواں ہوئی کہ اُن کی داڑھیاں تر بہ تر ہو گئیں ۔ اس مجلس میں "پاکتیا" کے "والی" یعنی گورنر، تورن جرنیل محمد حسین خان بھی موجود تھے ۔ یہ اجتماع اُنہوں نے ہی میرے اعزاز میں کیا تھا ۔

مولانا احمد علیؒ اور احرار

بزرگانِ احرار سے حضرت مولانا احمد علیؒ کے تعلقات نہایت گہرے اور بے حد مخلصانہ تھے اور دوستانہ تھے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر احرارِ اسلام تو جب کبھی باہر کے دَوروں سے لاہور آتے تھے تو "انجمن خدام الدین" میں حضرت شیخ کے پاس ہی قیام کرتے تھے ۔ انتہا یہ کہ جب ۱۹۴۷ء میں لدھیانہ سے لاہور آئے تو اُنہوں نے "انجمن خدام الدین" میں حضرت شیخ کے پاس ہی پناہ لی تھی ۔ اسی طرح حضرت امیر شریعت سیّد عطاءاللہ شاہ بخاریؒ شیخ حسّام الدین امرتسری اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی بھی جب لاہور آتے تھے تو حضرت مولانا احمد علیؒ سے ملاقات کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے ۔

مَیں عرض کر چکا ہوں کہ اگرچہ "اشرار" کی نظروں میں میری حیثیت "احرار ہند" میں بہت بلند تھی مگر مَیں نے خود کو ہمیشہ ہی بزرگانِ احرار میں "بدھو میاں" اور مُشتِ خاک سے زیادہ کبھی نہیں سمجھا ۔ اس لیے "بزرگانِ احرار" کی ایسی محفلوں اور مجلسوں میں جن میں مولانا احمد علی لاہوریؒ موجود ہوتے تھے اور آپس میں سیاسی یا دُوسرے مسائل پر گفتگو کرتے تھے ۔ مجھے ان گفتگوؤں میں مداخلت کی کبھی جسارت اور جرأت نہیں ہوئی البتہ ایسے موقعوں پر "بزرگان احرار" اور مولانا احمد علی اور مولانا عبیداللہ سندھی کی خدمت بابرکت میں "چائے کے جام" پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے ۔ بزرگانِ احرار اور حضرت مولانا احمد علی کے درمیان ایسی مجلسیں اکثر ڈاکٹر عبدالقوی صاحب لقمان کے گھر یا دکان پر ہُوا کرتی تھیں ۔ آسٹریلیا والی مسجد کے قریب ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کی دوکان تھی ۔ خدا جانے آج کل ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں اور کہاں نہیں مگر نہایت زندہ دل، مہمان نواز اور مجلسِ احرار کے شعبۂ خدمت خلق کے صدر بھی تھے ۔ اگر بقید حیات ہُوں تو مولانا احمد علیؒ اور بزرگانِ احرار کے درمیان ہمیشہ مذہبی اور ملکی مسائل پر تبادلۂ خیالات اور مشورے ہُوا کرتے تھے ۔ لیکن حضرت شیخ مولانا احمد علی کا عشق درسِ قرآن اور انجمن خدام الدین سے ہی تھا ۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں جب سر سکندر حیات خاں کی سرکار نے خاکساروں کو گولیوں سے بھُون ڈالا تھا تو جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے اس زمانے میں حضرت مولانا احمد علیؒ لاہور سنٹرل جیل میں پہنچا دیئے گئے تھے اور پھر مولانا عبیداللہ سندھی کی کوشش سے باہر آ گئے تھے ۔ یہ گرفتاری کس دفعہ کے تحت عمل میں آئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی یہ مجھے معلوم نہیں لیکن جب حضرت شیخ گرفتار ہوئے تھے تو اس وقت چودھری افضل حق اور راقم (خان غازی کابلی) مرکزی دفتر مجلس احرارِ اسلام ہند واقع شاہ محمد غوث لاہور میں بیٹھے تھے اور اکبری منڈی کے سوداگر غلہ جناب شیخ محمد حسین صاحب جو مولانا احمد علیؒ کے خاص دوستوں اور معتقدوں میں سے تھے یہ خبر لائے تھے کہ مولانا مرحوم کو سکندری مظالم کے خلاف احتجاج اور خاکساروں سے ہمدردی کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا ہے اس سلسلہ میں لاہور سے ہی صحیح معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ اگر محترم شیخ محمد حسین صاحب کا پتہ لگ سکے تو ان سے نہایت ہی مفید معلومات اور حالات کا ذخیرہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی اور مجلس احرار اسلام

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی جب طویل جلاوطنی کے بعد ۱۹۳۹ء میں مراجعت فرمائے وطن ہونے کی خبر ہندوستان پہنچی تو بزرگانِ احرار باہر کے دوروں پر تھے۔ دفتر میں صرف راقم (خان غازی کابلی) موجود تھے اور مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی صدر "احرار اسلام ہند" نے دہلی سے مجھے ایک خط لکھا چونکہ اس خط سے احرار اور مولانا عبید اللہ سندھی کے مخلصانہ تعلقات پر روشنی پڑتی ہے اس لیے درج کیا جاتا ہے خط ملاحظہ ہو:

" دہلی ۲/۳/۳۹ کنگ ناگرہ شوکمپنی دہلی

محترم بھائی خان کابلی صاحب سلام مسنون!

مولانا عبید اللہ سندھی وطن واپس تشریف لا رہے ہیں آپ "خدام الدین" میں جا کر حضرت مولانا احمد علی سے مفصل معلومات حاصل کر کے میری طرف سے اخبارات میں اعلان کر دیں کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کراچی سے اگر بذریعہ ریل لاہور ہوتے ہوئے دہلی پہنچیں تو ہر اسٹیشن پر مجالسِ احرار ان کا باقاعدہ طور پر شاندار استقبال کریں بالخصوص ملتان، خانیوال، میاں چنوں، منٹگمری، لاہور، امرتسر اور جالندھر و لدھیانہ حضرت مولانا ۵/۳/۳۹ کو "المدینہ" جہاز سے کراچی پہنچیں گے اور اسی روز شام کو کراچی میل سے روانہ ہوں گے۔ ۶/۳/۳۹ کی شام کو لاہور اسٹیشن پر پہنچیں گے اور اسی وقت فرنٹیئر میل سے دہلی روانہ ہو جائیں گے۔ میں نے مولانا محمد صادق صاحب کو کراچی لکھ دیا ہے کہ وہ بذریعہ تار مولانا کی روانگی کے متعلق آپ کو اور چوہدری افضل حق، مولانا مظہر علی اظہر کو لاہور مطلع کر دیں۔ یہ اعلان تمام انگریزی اور اردو اخبارات میں شائع کرا دیں۔ تار پہنچنے پر پھر دوبارہ اعلان کرائیں۔ کیونکہ شاید مولانا بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچیں۔

والسلام

آپ کا بھائی حبیب الرحمن "

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بزرگانِ احرار اور مولانا عبیداللہ سندھی کے تعلقات خصوصی طور پر صدرِ احرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا مذکورہ خط روشن اور بیّن دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس زمانے میں چودھری افضل حق، مولانا مظہر علی اظہر اور راقم (خان غازی کابلی) دفتر مجلس احرار اسلام ہند واقع شاہ محمد غوث بیرون دہلی دروازہ لاہور مستقل طور پر موجود رہا کرتے تھے اور مخالفین کے خیال میں یہ تینوں احرار کے دماغ اور پالیسیاں بنانے والے تصور کئے جاتے تھے اور مولانا حبیب الرحمٰن اور حضرت امیر شریعت سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری کو مجلس احرار اسلام کے "لاؤڈ اسپیکروں" کے ناموں کے ساتھ یاد کیا جاتا تھا۔ مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا احمد علی کا بزرگان احرار کتنا لحاظ اور کس قدر احترام کرتے تھے اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

ایک ناخوشگوار واقعہ اور میری معذرت

طویل جلاوطنی اور بڑھاپے نے حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے مزاج میں تیزی اور شدت پیدا کر دی تھی۔ اس لیے اکثر وہ کرخت لہجے میں بے باکی کے ساتھ گفتگو کیا کرتے تھے۔ کبھی کھلے سر رہتے تھے اور کبھی سر پر کھدر کا ٹوپ رکھ کر اور بوٹوں سمیت نماز پڑھنے کی باتیں کرنے لگتے تھے۔ ان کے ان انتہا پسندانہ خیالات اور بے باکانہ و کرخت گفتگو کے پیش نظر ایک دن میں نے مزاحاً چودھری افضل حق صاحب کے سامنے کہا کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی مسلمانوں کے "بابا کھڑک سنگھ" ہیں۔ اس پر چودھری صاحب تو مسکرا دیئے تھے لیکن جب حضرت مولانا مظہر علی اظہر، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، حضرت امیر شریعت، مولانا سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین امرتسری کو معلوم ہوا تو بے حد بُرا منایا اور مجھے بلا کر کہا کہ :

> "خان بھائی! احرار کے دل میں آپ کی بے حد عزت ہے لیکن آپ نے مولانا سندھی کو جو یہ "بابا کھڑک سنگھ" کا خطاب دیا ہے اس سے ہمیں سخت تکلیف ہوئی ہے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی ہمارے ان بزرگوں کی یادگار ہیں جنہوں نے حضرت شیخ الہند سیّد محمود الحسن کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اُن کے احکامات کی تعمیل میں زندگی کی بہترین بہاریں لٹائی ہیں۔ ہم مولانا کی غلطیاں بھی پکڑنا گناہ سمجھتے ہیں۔ اور "خطائے بزرگان گرفتن خطا" یقین کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہم چاہتے ہیں آپ کو عبرت ناک سزا دیں۔ کہو کیا سزا دیں؟"

بزرگان احرار اور زعمائے احرار کی یہ باتیں سُن کر میں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ میں اس سلسلہ میں بحث کرنا پسند نہیں کرتا "قصور وار ہوں بے شک قصور میں نے کیا" اور تہہ دل سے معذرت خواہ ہوں، اس کے باوجود آپ جو سزا تجویز کریں اُسے بھگتنے کو تیار ہوں۔ اس پر حضرت امیر شریعت مولانا سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری نے مجھے گلے لگایا اور کہا کہ :-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"آپ خود کو معمولی نہ سمجھیں۔ آپ پر ہم ناز کرتے ہیں اور باہر کی دُنیا آپ کی ہر بات کو فرمودہ احرار یقین کرتی ہے۔ اس لیے آپ کی ہر بات جچی تلی اور متانت پر مبنی ہونی چاہیئے اور آئندہ اس کا ہمیشہ خیال رکھیں۔"

اور اس طرح معاملہ "رفت وگذشت" ہوگیا۔ آہ! کیسے کیسے بزرگ تھے جو اب دُنیا سے اُٹھ گئے ہیں۔

وہ صُورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں؟
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

حضرت شیخ الہند اور مولانا سندھیؒ

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ سیاسی میدان میں حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن کے سپاہی تھے اور اُنہوں نے جو خدمات اس سلسلہ میں انجام دی ہیں وہ شیخ الہند کے حکم اور ارشاد کے تحت ہی انجام دی ہیں۔ صوبہ سرحد، آزاد قبائل اور افغانستان جانے کا حکم بھی انہیں شیخ الہند نے ہی دیا تھا۔ افغانستان انہیں مہاراجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ بھوپالی سے پہلے پہنچنا چاہیئے تھا لیکن اُن کی کراچی کی مصروفیتوں نے اُلجھائے رکھا اور کچھ قدرت کو بھی منظور نہ تھا کہ وہ راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ بھوپالی سے پہلے افغانستان پہنچنے کی سعادت حاصل کریں۔ اس لیے کافی دیر کے بعد افغانستان پہنچے۔ بہرحال میں نے اپنے مکتوب مطبوعہ "الحق" ۵ دسمبر ۱۹۷۷ء تا ۵ جنوری ۱۹۷۸ء میں جو کچھ عرض کیا تھا اس کی تصدیق کے لیے مولانا عبید اللہ سندھی کا ایک مکتوب گرامی پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"احوال انجمن وغیرہ موسوم بنام حکومت موقتہ ہند"

"ایک ہندوستانی رئیس "مہندر پرتاپ" کا ساکن بندرابن جسے آریوں کی جماعت سے خاص تعلق ہے اور ہندوستانی راجگان سے واسطہ در واسطہ ملتا ہے گذشتہ سال جرمنی پہنچا قیصر سے ہندوستان کے مسئلہ میں ایک تصفیہ کر کے اس کا ایک خط بنام روسائے ہندو امیر کابل لایا۔ حضرت خلیفۃ المسلمین" نے بھی قیصر کی طرح اسے اپنا وکیل ہند بنایا۔ اس کے ساتھ مولوی برکت اللہ بھوپالی جو جاپان و امریکہ میں رہ چکے ہیں برلن سے ہمراہ ہوئے۔ قیصر کے ایک قائمقام اور سلطان المعظم کے ایک افسر اس کے ساتھ کابل آئے۔ یہ لوگ میرے کابل پہنچنے سے دس روز قبل کابل پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کے فوائد کی تائید میں ہندوستانی مسئلہ امیر صاحب کے سامنے پیش کیا اور کابل میں دونوں ایک انجمن کی بنام مذکورہ بالا بنیاد ڈالی۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ ہندوستانی معاملات مستقبل میں دول عظمٰی سے معاہدات کرے۔ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ انہوں نے مجھ سے اس انجمن میں شامل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے کی درخواست کی۔ میں نے اسلامی مفادات کی حفاظت کی نظر سے قبول کیا۔

۱۔ (۱) چند روز کے مباحثات کے بعد اس انجمن نے قبول کر لیا کہ اگر افغانستان جنگ میں شرکت کرتا ہے تو ہم اس کے شہزادے کو ہندوستان کا مستقل بادشاہ ماننے کو تیار ہیں اور اس قسم کی درخواست امیر صاحب کے سامنے پیش کر دی۔ لیکن چونکہ امیر صاحب ابھی شرکتِ جنگ کے لیے تیار نہیں اس لیے معاملہ ملتوی کر رکھا ہے۔

۲۔ (۲) اس حکومت کی طرف سے روس میں سفارت کی گئی جس میں ایک ہندو اور ایک مہاجر طالب علم تھا جو افغانستان کے لیے مفید اثرات لے کر واپس آئے۔ اب روس کا سفیر کابل آنے والا ہے۔ روس کی انگریزوں سے برہمی ہیں جس کے فیصلہ کے لیے "کچز" جاتا ہوا غرقاب ہوا۔ ممکن ہے کہ سفارت مذکورہ کا اثر بھی ہو۔

۳۔ ایک سفارت براہِ ایران قسطنطنیہ اور برلن گئی ہے۔ اس میں دونوں ہمارے مہاجر طالب علم ہیں۔ امید ہے کہ حضور میں حاضر ہو کر موردِ عنایت ہوں گے۔

۴۔ اب ایک سفارت جاپان اور چین کو جانے والی ہے۔

۵۔ ہندوستان میں پہلے سفارت بھیجی گئی مگر وہ زیادہ کامیاب نہ ہوئی۔

۶۔ اب دوسری سفارت جا رہی ہے۔

۷۔ تھوڑے دنوں میں ایک دوسری سفارت برلن جانے والی ہے۔

جرمن سفارت خانہ سے میرے ذاتی تعلقات بہت اعلیٰ درجہ پر ہیں جس میں اسلامی فوائد پر پوری مدد ملے گی۔ اس حکومت موقتہ میں راجہ مہندر پرتاپ صدر ہیں۔ مولوی برکت اللہ بھوپالی وزیرِ اعظم اور احقر (مولوی عبید اللہ سندھی ناقل) وزیرِ ہند ہیں۔

عبید اللہ

مندرجہ بالا مکتوب اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا وہ مکتوب جو انہوں نے ۱۹۳۹ء میں مولانا عبید اللہ سندھی کے استقبال کے بارے میں لکھا ہے مجھے پُرانے کاغذات کے "کباڑستان" میں نظر افروز ہوئے ہیں۔ مولانا سندھی کے مکتوب کی نقل میں نے مولانا فضل ربی آف بفہ سے حاصل کی تھی اور "ریشمی خطوط سازش کیس" کے "محفوظ ریکارڈ" میں بھی موجود ہے۔ اس محفوظ ریکارڈ کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ مولانا محمد میاں مرحوم نے "تحریکِ شیخ الہند (مولانا سید محمود الحسن)" "ریشمی خطوط سازش کیس" محفوظ ریکارڈ انگریزی سے ترجمہ کے عنوانات کے ساتھ شائع کیا ہے۔ سندھی کا مکتوب بالا اس کے ص ۲۷۰ تا ۲۷۰ پر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درج ہے۔

اس مکتوب کے بارے میں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن کے اس مجاہد سپاہی کا نہیں ہو سکتا ہے جس کا نام مولانا عبیداللہ سندھی ہے کیونکہ اس کا انداز ایک مجاہد کا نہیں ہے اور اس کا یہ ٹکڑا کہ:

"چند روز کے مباحثات کے بعد اس انجمن (مؤقتہ حکومت) کے ارکان نے قبول کر لیا کہ اگر افغانستان جنگ میں شرکت کرتا ہے تو ہم اس کے شہزادے کو ہندوستان کا مستقل بادشاہ ماننے کو تیار ہیں"

برطانوی سیاست کے کسی مذموم مقاصد کی ترجمان کرتا ہے۔ بہرحال میں نے درج اس لیے کر دیا ہے کہ حضرت مولانا محمد میاں نے اُسے مذکورہ بالا کتاب میں درج کرنا مناسب سمجھا ہے۔ اب مہاراجہ مہندر پرتاپ کے افغانستان آنے کی داستان ملاحظہ ہو۔

برلن (جرمنی) سے مہاراجہ مہندر پرتاپ کی روانگی

میری یادداشت اور معلومات کے مطابق مہاراجہ مہندر پرتاپ کی زیر قیادت ہندوستانی، ترکی، جرمنی وفد برلن سے ۱۵ راپریل ۱۹۱۵ء کو افغانستان کے لیے روانہ ہوا تھا جس میں جرمن نمائندہ ڈاکٹر فان ہنٹگ کپتان نڈر مائر اور ترکی کے کاظم بے وغیرہ شامل تھے اور اس میں ہندوستانی نمائندے کے طور پر مولانا برکت اللہ بھوپالی بھی تھے۔ یہ وفد جب ایران کی سرحد پر پہنچا تو ترکی فوجوں کا کمانڈر رؤف بے اور مولانا عبدالرب اور جناب عبدالرحمٰن پشاوری سے بھی ملا۔ براہِ ہرات افغانستان میں داخل ہوا۔ ۳ راکتوبر ۱۹۱۵ء کو کابل پہنچا۔ کابل میں اس کی شاندار پذیرائی ہوئی اور اسے "بابر باغ" کے شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔ امیر حبیب اللہ سے ملاقات کے وقت سردار نصراللہ خان، ولی عہد شہزادہ عنایت اللہ خاں، معین الملک شہزادہ امان اللہ خاں، یعنی غازی امان اللہ خاں اور موجودہ افغان صدر محمد داؤد خاں کے والد سردار محمد عزیز موجود تھے۔ ملاقات کے کمرے میں داخل ہوتے وقت راجہ مہندر پرتاپ سب سے آگے تھے۔ ان کے پیچھے مولانا برکت علی بھوپالی ان کے بعد جرمن اور ترکی نمائندے تھے۔ جرمنی اور ترکی نمائندوں نے امیر حبیب اللہ کو یقین دلایا کہ اگر افغانستان میں ہندوستان کی متوازی حکومت کا قیام عمل میں آیا تو ہم اُسے تسلیم بھی کر لیں گے اور اسے ہر طرح سے مالی اور دوسری امدادوں سے بھی طاقت در بنائیں گے۔ اس کے بعد ارکانِ وفد کی کئی مجلسیں سردار نصراللہ خاں وزیر اعظم اور آقائے حاجی عبدالرزاق خاں کے دولت کدوں پر ہوئی جن میں مہاراجہ مہندر پرتاپ نے رئیس وفد کی حیثیت سے بار بار پرزور الفاظ میں اس وعدہ کو دہرایا کہ:

"ہندوستان کے آزاد ہونے پر ہم آپ کی خواہش کے مطابق بلوچستان اور فارسی بولنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دالا وسطِ ایشیا کا علاقہ آپ کے حوالے کر دیں گے "۔

مہاراجہ مہندر پرتاپ کے اس دعوے سے مولانا عبید اللہ سندھی کے اس بیان کی تردید ہوتی ہے کہ حکومت موقتہ نے افغانستان کے کسی شہزادے کو ہندوستان کا مستقل بادشاہ تسلیم کرنے کا وعدہ کیا تھا اور یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ افغان حکومت بلوچستان کی اس لیے خواہش مند تھی کہ اُسے بلوچستان ملنے کی صورت میں مکران اور پاسنی کی بندرگاہیں ملتی ہیں۔

ہندوستان کے متوازی حکومت کا قیام

ارکانِ وفد اور انقلابی کونسل کا آخری اجلاس آغائے حاجی عبدالرزاق خان کے مکان پر ۲۹ر اکتوبر ۱۹۱۵ء کو ہُوا جس میں ہندوستان کی متوازی حکومت کے قیام کا فیصلہ کیا گیا اور یکم دسمبر ۱۹۱۵ء کو اس کا اعلان کر دیا گیا۔ جس کے صدر مہاراجہ مہندر پرتاپ، وزیراعظم مولانا برکت اللہ بھوپالی اور وزیر داخلہ مولانا عبید اللہ سندھی مقرر کئے گئے اور وزارت دفاع (جنگ) کا منصب ترکی کے کاظم بے کو سونپا گیا۔

یہ تنظیم جس کے بانی اور حقیقی سالارِ اعظم حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن تھے افغانستان اور سرحدات میں اُس کے انچارج مولانا عبید اللہ سندھی تھے، ریشمی خطوط کا پروگرام حضرت شیخ الہند نے مولانا غازی حامد الانصاری کے والد مولانا منصور غازی انصاری کے ذریعے پشاور مفتی سرحد حضرت مفتی مولانا عبدالرحیم پوپلزئی کے پاس بھیجا تھا اور حضرت پوپلزئی اور ان کے دوستوں کی مدد کے ذریعہ سے منصور غازی انصاری کابل پہنچانے میں کامیاب ہُوئے تھے۔ یہ پروگرام زعفرانی رنگ کے ریشمی کپڑوں کے رومالوں پر تھا اور اس میں حکومت متوازی اور جنود اللہ کو حکم دیا گیا تھا کہ ۱۹ر فروری ۱۹۱۷ء کو اس پروگرام پر عمل کریں۔

۱۔ قلات اور مکران کے قبائل ترکی فوجوں کی قیادت میں کراچی پر حملہ آور ہوں۔

۲۔ غزنی اور قندھار میں قبائل ترک فوج کی مدد سے کوئٹہ پر یلغار بول دیں۔

۳۔ پشاور کے محاذ پر درۂ خیبر کے مہمند اور آفریدی شینواری قبائل حملہ آور ہوں۔

۴۔ اوگی کے محاذ پر کوہستانی قبائل کی امداد سے حملہ کیا جائے۔

۵۔ اسی تاریخ کو ہندوستان میں آزادی کا پرچم لہرایا جائے۔

افسوس کہ حضرت شیخ الہند کا ریشمی دالوں والا یہ پروگرام مولانا عبید اللہ سندھی کے ایک ساتھی اور رفیق مولوی عبدالحق کی سادگی سے ملتان میں افشا ہُوا۔ اور اس کے افشا ہونے کے ساتھ شریف مکہ کی قیادت میں عربوں نے ترکی کے خلاف غداری کا پرچم بلند کیا۔ حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن، شیخ الاسلام مولانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید حسین احمد مدنیؒ، مولوی عزیز گل، مولوی وحید احمد اور مولوی نصرت حسین وغیرہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ امیر حبیب اللہ نے بھی اس صورتِ حال سے گھبرا کر متوازی حکومت کے ارکان کو افغانستان سے دُوسرے ملکوں کو اخراجات دے کر چلتا کیا۔

جس طرح مہاراجہ مہندر پرتاپ ابھی تک بندرابن ضلع متھرا ہندوستان میں بقیدِ حیات موجود ہیں اسی طرح میرا خیال ہے کہ مولانا عزیز گل صاحب بھی پاکستان کے کسی مقام پر زندہ وسلامت موجود ہیں۔ اگر میرا یہ خیال درست ہو تو اُن سے قیمتی معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ ہندوستان میں بھی ایک بزرگ مولانا فضل الرحمٰن سواتی عمر آباد (مدراس) میں تھے اور وہ اس قافلہ حریت کے سپاہی تھے اور تحریک شیخ الہند کے ماہر اور معلومات کے سمندر تھے لیکن افسوس کہ چند سال قبل وہ فوت ہو چکے ہیں۔ ان کے جو حالات مَیں نے "برہان" میں شائع کرائے تھے اس کے کٹنگ "الحق" کے لیے ارسال خدمت ہیں۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے طویل جلاوطنی سے مراجعت فرمائے وطن ہونے پر دہلی میں "جامعہ ملیہ اسلامیہ" کو اپنا مرکز بنا لیا تھا اور ان کے قدردان مخلص جناب محمد سرور ہُوا کرتے تھے۔ یہ صاحب شہباز پشاور کے اسٹاف میں کام کرتے تھے۔ آج کل معلوم نہیں کہ کہاں ہیں۔ ان سے بھی مولانا سندھی کے بارے معلومات کی جاسکتی ہیں۔ "جامعہ ملیہ اسلامیہ" دہلی کو مولانا سندھی نے اس لیے اپنا مرکز بنایا تھا کہ اس کی بنیاد علی گڑھ میں حضرت شیخ الہند مولانا سید محمود الحسن نے رکھی تھی اور یہ مولانا محمد علی جوہر اور ان کے "علیگ" حریت پرست ساتھیوں کی کوشش سے وجود میں آیا تھا۔ دہلی میں مولانا سندھی نے خود بھی ولی اللٰہی تعلیمات و فلسفہ پر کام کرنے کے لیے وقف کر لیا اور ایک اکاڈمی بھی قائم کی تھی۔

مہاراجہ مہندر پرتاپ

مہاراجہ مہندر پرتاپ ۱۹۴۶ء میں تقسیم وطن سے ایک سال پہلے طویل جلاوطنی کے بعد ہندوستان آئے تو یہ عجیب بات اُن کی شخصیت میں تھی کہ چہرے مہرے اور لباس و کردار اور گفتار سے ایک مُسلمان عالم کی شان میں نظر آتے تھے۔ ان کے چہرے پر نہایت خوب صورت داڑھی تھی۔ سر پہ بالوں والی ٹوپی تھی۔ داڑھی اور مونچھیں اب بھی ہیں لیکن اب سر سے اکثر ننگے ہی نظر آتے ہیں۔

مُسلمانوں سے اب بھی اُن کے گہرے تعلقات ہیں اور ان کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانے میں لُطف محسوس کرتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ افغانستان میں بھی جب امیر حبیب اللہ نے اپنے وفد کی قیادت کرتے ہوئے ملاقات کی تھی اور اُن کے لیے امیر صاحب نے علیحدہ ہندو کھانے کا انتظام کیا تھا تو اُنہوں نے اس ہندو کھانے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ مَیں وہی کھانا کھاؤں گا جو میرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حریت پرست مسلمان اور ساتھیوں کے لیے تیار کیا گیا ہے "۔

جرنل محمد عمر مرحوم سابق افغان سفیر دہلی جدید فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے راجہ مہندر پرتاپ جیسا مخلص، بہادر، بے غرض دوست پرور اور آزادی کا پرستار شخص کسی قوم میں نہیں دیکھا ہے "۔

آزادی (تقسیم وطن) کے بعد راجہ صاحب نے تمام قوموں کے اتحاد کے لیے کام شروع کیا تھا۔ ہندوستان کی پہلی پارلیمنٹ کے ممبر بھی رہے ہیں۔ زندگی میں اکثر دوروں میں رہتے ہیں۔ ان کا قیام کبھی راج پورہ (ڈیرہ دون) اور کبھی بندراین ضلع متھرا میں ہوتا ہے۔

آزادی کی جدوجہد کے بارے میں بہت سی یادیں میری یادوں کے جھروکوں" میں پھڑ پھڑا رہی ہیں لیکن آشوب چشم کی وجہ سے انہیں صفحہ قرطاس پر پیش کرنے سے معذور ہوں۔ برادران سرحد و پاکستان کو شاید معلوم نہیں کہ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۰ء تک میری دونوں آنکھیں بند رہی تھیں اور ۱۹۷۱ء میں صرف ایک آنکھ میں اتنی روشنی واپس آگئی ہے کہ چشمہ لگا کر اخبار پڑھ لیتا ہوں۔ ایک آنکھ نور سے بالکل محروم ہو چکی ہے تاہم میری کوشش جاری ہے کہ "الجمعیۃ" کی پرانی فائلوں سے مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بہترین معلومات حاصل کر کے آپ کو بھیجوں۔ برادران پاکستان کو سلام شوق و ملاقات!

آپ کا مخلص ۔ خان غازی کابلی

ٹینڈر نوٹس

ٹاؤن کمیٹی شبقدر کو مندرجہ ذیل تعمیراتی کام کی تکمیل کیلئے پی۔ ڈبلیو۔ ڈی اور لوکل باڈیز کے منظور شدہ ٹھیکیداران سے سر بمہر ٹینڈر مطلوب ہیں۔ ٹینڈر مورخہ ۴-۵-۷۰ کو بوقت ۱۲ بجے دوپہر تک زیر دستخطی کے پاس دفتر ٹاؤن کمیٹی ہذا میں پہنچ جانے چاہئیں۔ ٹینڈر مذکورہ بالا تاریخ و وقت کو ٹھیکیداران کی موجودگی میں کھولے جائیں گے۔ ٹینڈر فارم دفتر ٹاؤن کمیٹی ہذا سے قیمتاً حاصل کئے جا سکتے ہیں، ٹینڈر منظور کرنے کا اختیار زیر دستخطی کو ہوگا۔ دیگر شرائط مطابق ورکس رولز ہوں گی۔

نمبر شمار	تفصیل کام	تخمینہ لاگت	زر بیعانہ/ضمانت	میعاد کام
۱-	تعمیر مذبح خانہ بمعہ چار دیواری	۹۰۰۰/- روپیہ	۱۹۴۰/- روپیہ	۲½ ماہ

المشتہر

صاحبزادہ خورشید احمد

ایڈمنسٹریٹر ٹاؤن کمیٹی شبقدر

INF(P) 791

© rasailojaraid.com